جناب ثناء الحق صدیقی (کراچی)

حضرت شیخ الاسلامؒ کے محاسنِ اخلاق

داماں نگہ تنگ و گلِ حُسن تو بسیار

دہلی میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ "حیات اور کارنامے" کے موضوع پر ۱۸، ۱۹ مارچ ۱۹۹۰ء کو سیمنار منعقد ہوا، ذیل کا مقالہ اسی میں پڑھا گیا، جواب خصوصیت سے قارئینِ الحق کے لیے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

اگرچہ ہمیں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، تاہم جب شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ذات پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اُن کی پاک و مقدس زندگیاں کچھ ایسی ہوں گی جن کا ایک ہلکا سا پرتو ہمیں حضرت شیخ الاسلامؒ کے وجود میں دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذات اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ وہی صحابۂ کرامؓ کی سی مجاہدانہ زندگی، شریعتِ مطہرہ کی پاسداری، سادگی و بے نفسی، ایثار و قربانی اور تقدس و تقویٰ اُن کی ہستی میں نظر آتی ہے انہوں نے ایسے ماحول اور حالات میں رہ کر ان خوبیوں کو نبھایا جب دُنیا ایک طاغوتی نظام کے زیرِ اثر تھی، ہر طرف مخالفتوں کی آندھیاں چل رہی تھیں اور حضرت شیخ الاسلامؒ کو کم ظرفوں اور بدتوفیقوں کا سامنا تھا۔

آپ میں آثارِ سعادت بچپن ہی سے ہویدا تھے، اس میں زیادہ اثر تو آپ کی نیک سرشت اور فطری نیکی کا تھا، لیکن کچھ حصہ گھر کے ماحول اور والدین کی تربیت کا بھی تھا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا حبیب اللہ پیشہ کے اعتبار سے مدرس تھے لیکن دینی اور روحانی اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ وہ مولینا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے خلیفۂ مجاز ہونے کے ساتھ ساتھ مستجاب الدعوات تھے۔ وقت کا بڑا حصہ ذکر و شغل اور تسبیح و تہلیل میں گذرتا تھا۔ اسی طرح حضرت شیخؒ کی والدہ ماجدہ بھی پابندِ شریعت، زاہدہ و عابدہ،

اور بڑی صابرہ اور قانع خاتون تھیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ تین سال کے تھے کہ آپ کے والدِ محترم مولانا حبیب اللہ صاحبؒ ملازمت سے سبکدوش ہوکر اور پنشن لے کر اپنے وطن ٹانڈہ آ گئے۔ آپ نے اُن سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ جب تیرہ برس کا سن ہُوا تو آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ وہاں آپ براہِ راست حضرت شیخ الہندؒ کے زیرِ تربیت آ گئے۔ گویا اسلامی علوم اور اسلامی اخلاق کے سرچشمہ سے آپ کو سیراب ہونے کا موقع مل گیا۔ آپ نے ابتدائی کتابیں بھی حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔ اس کے علاوہ دارالعلوم میں جن دوسرے اساتذہ سے درس حاصل کیا وہ بھی سپہرِ علم کے آفتاب و ماہتاب اور اخلاقِ حسنہ کے مجسمے تھے۔ ان اکابر میں حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی، حضرت مولانا عبدالعلی محدث دہلوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

آپ نے اپنا دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کا ہفت سالہ دور نہایت کامیابی سے گذارا، اور ہر امتحان میں امتیازی نمبرے کر پاس ہوئے۔ چنانچہ عربی مدارس میں ہر مضمون یا کتاب کے انتہائی نمبر ۵۰ ہوتے ہیں۔ لیکن آپ نے بیشتر کتابوں میں ۵۱، ۵۲، ۵۳ نمبر حاصل کیے۔ اور صدرا جیسی دقیق کتاب میں تو آپ کو ۵۷ نمبر ملے۔

دیوبند کے قیام ہی میں آپ کو علومِ دینیہ کی اہمیت اور اساتذہ کی عظمت و تعظیم کا پورا پورا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ جس لگن سے آپ نے تعلیم پائی اور جس نیازمندی سے اساتذہ بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت انجام دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۱۳۱۶ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا پورا خاندان ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا اور دیارِ رسول میں ہی اقامت گزیں ہو گیا۔ وہاں جن مالی مشکلات سے پورے خاندان کو دوچار ہونا پڑا وہ دوسروں کے لیے درسِ عبرت ہے، لیکن ان حضرات نے اِن دقتوں اور دشواریوں کو جس خندہ پیشانی اور صبر و استقامت سے برداشت کیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا تھا، سر چھپانے کے لیے ٹھکانا نہیں تھا۔ گھر کے افراد ہی نے مل جُل کر اور مزدوروں کی طرح کام کر کے ایک کچا پکا مکان تعمیر کیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ بھی اس کام میں شریک رہے۔ چنانچہ اپنی خود نوشت سوانح "نقشِ حیات" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بسا اوقات میں مسجدِ نبوی میں بیٹھا ہُوا کتاب پڑھاتا ہوتا تھا، اور آدمی آتا کہ والد صاحب

بُلا رہے ہیں۔ طلبہ کو رخصت کرکے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ مٹی اٹھانے والا یا اینٹ اٹھانے والا مزدور نہیں آیا، تم اس کام کو انجام دو۔ بہ مجبوری تمام دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطل کرنا پڑتا۔ بسا اوقات ایک ایک، دو دو اسباق کو معطل کرکے تمام اوقات اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنے پڑتے۔"

دارالعلوم دیوبند میں نصاب کی تکمیل اور امتحان سے فراغت کے بعد ماہ شعبان ۱۳۱۶ھ میں آپ اپنے برادر بزرگ مولانا محمد صدیق کے ہمراہ گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ لیکن چونکہ کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو اپنے والد اور خاندان کے ساتھ حجاز جانا پڑا۔ اس لیے مرشد کی ہدایت کے بموجب مکہ معظمہ پہنچکر آپ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں باریاب ہوئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تلقین و ارشاد والی بات نیز اُن کا سلام و پیام پہنچایا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے نہایت شفقت و محبت سے فرمایا کہ:۔

"ہر روز صبح ہمارے پاس آکر یہ عمل کیا کرو۔"

آپ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کے بموجب ان کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کر دیا۔ اور چند مہینے اُن کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ اسی سال آپ نے حج وعمرہ اور دیگر مناسکِ حج ادا کیے۔ اگلے سال ماہ جمادی الثانی میں حضرت حاجی صاحب رحلت فرما گئے۔ اس وقت حضرت شیخ الاسلامؒ کی عمر اکیس سال تھی۔ گویا نوجوانی ہی میں آپ نے علومِ شرعیہ کی بھی تکمیل کر لی اور منازلِ سلوک بھی طے کر لیے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے بعد بھی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ خود اپنی علمی تشنگی کو بھی بجھاتے رہے اور دوسروں کو بھی فیض پہنچاتے رہے۔ اُس وقت مدینہ منورہ میں ایک معمر ادیب مولانا شیخ آفندی عبدالجلیل برادہ موجود تھے اُن سے آپ نے ادبیات کی تکمیل کی۔ ساتھ ہی وہاں کے دو کتب خانوں "کتب خانہ شیخ الاسلام" اور "کتب خانہ محمودیہ" کے علمی ذخائر سے پورا پورا استفادہ کیا۔

رمضان یا شوال ۱۳۱۸ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا خط اس مضمون کا پہنچا کہ: "تم ایک ماہ کے لیے میرے پاس گنگوہ آجاؤ۔" چنانچہ حضرت شیخ الاسلامؒ ذیقعدہ کے آخری ایام میں مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنے بھائی کے ساتھ حج وعمرہ کی سعادت حاصل کی۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد محرم ۱۳۱۹ھ میں بادبانی جہاز سے مسقط اور وہاں سے کراچی پہنچے۔ اوائل ربیع الاول میں گنگوہ

کی حاضری نصیب ہوئی۔ دو ماہ سے زیادہ قیام رہا اور بارگاہِ رشیدی سے خلافت عطا ہوئی۔ ماہ محرم ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں آپ کا درس و تدریس کا سلسلہ تو ہجرت کے کچھ ہی بعد شروع ہو گیا تھا لیکن شوال ۱۳۱۸ھ تک ابتدائی پیمانہ پر رہا۔ ماہ محرم ۱۳۲۰ھ سے جب آپ ہندوستان سے واپس پہنچے تو اس میں وسعت پیدا ہونی شروع ہوئی، اور نہایت قلیل عرصہ میں حلقہ درس اتنا وسیع ہو گیا کہ مختلف دیار و امصار سے تشنگانِ علم آ آ کر آپ کے چشمۂ علم سے سیراب ہونے لگے تقریباً پندرہ سال آپ نے مسجدِ نبوی میں درسِ حدیث دیا اور متعدد طلبا فیضیاب ہو کر اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ حجاز تشریف لے گئے اور حج کی ادائیگی کے بعد دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت سے حضرت شیخ الاسلام کو مستقل طور پر اُستاد کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا۔ اُن کے ساتھ آپ مکہ آئے، حج ادا کیا اور طائف چلے گئے۔ چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کے وارنٹ گرفتاری حکومتِ ہند نے جاری کر دیئے تھے اُس کی تعمیل شریف مکہ کی وساطت سے ہوئی۔ اور حضرت شیخ الہندؒ کو مع اُن کے رُفقا حضرت شیخ الاسلامؒ، مولانا عزیر گل، حکیم نصرت حسین اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے بھتیجے وحید احمد گرفتار کر کے مالٹے بھیج دیا گیا۔ مالٹے کی اسارت کا زمانہ تقریباً چار سال ہے اس مُدت میں حضرت شیخ الاسلامؒ کو دن رات اُستاد کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا جس کا تفصیلی ذکر آپ نے اپنی کتاب "اسیرِ مالٹا" میں کیا ہے۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ کو اُستاد کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی اور دوسری طرف اُستاد سے فیضِ رُوحانی حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اُسی زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ نے قرآنِ کریم کا اردو ترجمہ کیا جو آج بھی معیاری سمجھا جاتا ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلامؒ نے قرآن حفظ کر لیا۔ غرض یہ اسارت آپ کے لیے ایک طرح سے بڑی مبارک ثابت ہوئی۔

مالٹے سے رہائی کے بعد مدینہ واپس جانے کی بجائے دیوبند چلے آئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہو گیا۔ اُدھر ملک میں سیاسی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی کتابِ زندگی میں ایک اور درخشاں باب کا اضافہ ہوا۔ وہ تھا سیاسی جدوجہد میں نہایت جوش و ولولے کے ساتھ حصہ لینا اور آزادیٔ وطن کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینا۔ اس کے صلہ میں کئی بار حکومتِ برطانیہ کا معتوب بننا اور قید و بند کی صعوبات برداشت کرنا پڑیں۔ کراچی کے مقدمہ میں علی برادران کے ساتھ آپ کو بھی دو سال کے لیے قید کی سزا سنائی گئی اور آپ نے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس کے بعد بھی کئی بار آپ کو

جیل جانا پڑا۔ لیکن آپ اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک مُلک کو آزادی کی منزل تک نہیں پہنچا لیا۔

یہ تھا وہ ماحول اور یہ تھے وہ لوگ اور وہ حالات جنہوں نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذات کو جو پہلے سے کچے سونے کے مانند تھی مختلف مرحلوں سے گذار کر ایسا کندن بنا دیا کہ اس کی چمک دمک روزِ قیامت تک کم نہ ہوگی۔ بلکہ جیسے جیسے اختلافات کی تلخیاں دلوں سے محو ہوتی جائیں گی ویسے ویسے مخالفین بھی آپ کے کاموں اور کارناموں کی تابانی وضوفشانی کو محسوس کرنے لگیں گے۔

کچھ تو اپنی فطرتِ سلیمہ سے اور کچھ مختلف اثرات سے حضرت شیخ الاسلامؒ میں دل و دماغ کی اتنی خوبیاں پیدا ہو گئیں کہ اُن کی کیفیت و کمیت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ آپ کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ: "علم و تحقیق میں آپ اپنے زمانہ کے غزالی و رازی تھے، زہد و تقویٰ کے اعتبار سے احمد بن حنبلؒ، سلوک و طریقت میں جنید و شبلی اور جہد و ایثار میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ" آپ میں درویشی و ولایت، مکارمِ اخلاق، خودداری، ذوقِ عبادت، اتباعِ شریعت و سنّت، عزم و استقلال، احساسِ فرضِ منصبی، سادگی و بے تکلفی، تواضع و انکساری، ایثار و قربانی، فیاضی و مہمان نوازی، احتیاط و تقویٰ، قناعت و استغناء اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام خوبیاں جمع ہو گئی تھیں۔ بے جا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ آپ ان جملہ محاسن کا ایک حسین و جمیل پیکر تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کو درویش اور ولی ان معنوں میں نہیں کہہ سکتے کہ وہ اجتماعی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اُن کے بارہ میں اس طرح کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے تو خدمتِ خلق کو مقصدِ حیات بنا رکھا تھا اور قومی کاموں میں خود کو اس طرح محو کر دیا تھا کہ اپنے راحت و آرام کا کوئی خانہ اُن کی زندگی میں خالی نہیں رہ گیا تھا۔ آزادی کی جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی درویشی اور ولایت یہ ہے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر وہ اپنے آرام و آسائش کی تلاش میں سرگرداں نہیں رہے۔ بلکہ ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ خود سختی جھیل کر دوسروں کو آرام پہنچایا۔ مثلاً جاڑے کے موسم میں اگر کسی طویل سفر پر جا رہے ہیں اور رات اسٹیشن پر گذارنی ہے تو پلیٹ فارم کے کسی کونہ گوشے میں مصلے پر کھڑے ہو کر تہجد کی نماز ادا کر لیں گے اور دوسروں کی نیند میں خلل ڈال کر ویٹنگ روم میں عبادت تک کرنا گوارا نہیں کریں گے۔

آپ کے اخلاق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ کروڑوں انسانوں سے آپ کا واسطہ رہا لیکن ہر شخص آپ کے حُسنِ اخلاق کا مداح و معترف نظر آیا۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی کے تاثرات ملاحظہ

ہوں، فرماتے ہیں:۔

"شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی کے فضل و کمال، مرتبہ و مقام پر تو وہ گفتگو کرے جو خود بھی کچھ ہو۔ مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولانا کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے۔ اور وہ آپ کی بےنفسی، سادگی، تواضع، انکساری اور خدمتِ خلق کا عشق ہے۔ کہتا ہوں اور گویا خانۂ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں، بہترین رفیقِ سفر ہیں، مہمان ہو تو اس کی میزبانی میں اپنے معمولات کو ترک کر دیں گے، روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آئے تو خود قرض دار ہو جائیں گے لیکن آپ کی حاجت ضرور کہیں سے پوری کر دیں گے، خدانخواستہ بیمار پڑ جائیے تو تیمارداری میں دن رات ایک کر دیں گے، نوکری کی ضرورت پیش آئے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو، کسی امتحان میں بیٹھ جائیے تو سفارش نامول میں اور عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کریں گے نہ اپنی صحت کا نہ خرچ کا، جس طرح بھی ہوگا آپ کا کام نکالنے پر تُل جائیں گے۔ اپنے بزرگوں کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھتے ہوں اپنے خوردوں، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی چھوڑتے ہیں۔ حالیؔ کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہیں ؎

خاکساری اپنی کام آئی بہت   ہم نے ادنےٰ کو اعلےٰ کر دیا

بہت سنا ہے کہ یہ شان محمود الحسن شیخ الہند دیوبندیؒ کی تھی۔ اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہیں پہنچتا۔ فرصت میسر آتی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی کی آتی۔ اور ایک مختصر المعانی پر کئی کئی مفصل اور مطول تیار ہو جاتے ؏ سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیے ــــ"

جس بات کو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنے مخصوص انداز میں اس طرح پھیلا کر لکھا ہے اُس کو چند لفظوں میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ بےنفسی، سادگی، تواضع، انکساری، خدمتِ خلق وغیرہ کو مکارمِ اخلاق کہا جاتا ہے۔ اور یہ سب خوبیاں حضرت شیخ الاسلام میں اتنی زیادہ تھیں کہ عام آدمی اُن کا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا مرتبہ دینی اور دنیوی اعتبار سے اتنا بڑا تھا کہ اُس کا تصوّر بھی ممکن نہیں، لیکن آپ خود کو ہمیشہ چھوٹا ہی کر کے دکھاتے۔ سادگی آپ کی ہر بات سے عیاں تھی۔ تصنّع اور تکلّف کو کسی موقع پر بھی اپنے کسی کام میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ خط کے آخر میں خود کو ہمیشہ "ننگِ اسلاف" لکھتے تھے، اور یہ محض دکھاوے کے لیے نہیں تھا بلکہ حقیقتاً آپ خود کو ایسا ہی

سمجھتے تھے۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں اگرچہ زیادہ رہنا نصیب ہوا، مگر باوجود ان کی توجہات کے اپنی نالائقیوں نے گل کھلانے میں کمی نہ کی۔ غرضیکہ میں اپنے اسلاف اور اکابر کرام کے لیے ننگ و عار ہی رہا اور حضرات اہلِ چشت اور دیگر مشائخ اہلِ طریقہ کا صحیح معنوں میں بدنام کرنے والا"

حضرت شیخ الاسلام میں خودداری کی صفت بھی کمال کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ انتہائی مجبوری، ناداری، تنگدستی کی حالت میں بھی کبھی نہ صرف کسی سے امداد کے طالب نہیں ہوئے بلکہ اگر کسی نے کوئی مدد کرنی چاہی تو آپ نے قبول نہیں فرمائی۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اچھے خاصے کھاتے پیتے ہونے کے باوجود ہر کسی سے اپنی تنگدستی کی شکایت کرتے پھرتے ہیں لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ کی خودداری نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا کہ اپنی مفلسی کی حالت کو بھی کسی پر ظاہر ہونے دیں۔ جب آپ کا پورا خاندان جو ۱۳ افراد پر مشتمل تھا ہجرت کر کے حجازِ مقدس گیا اور دیارِ رسولؐ میں سکونت پذیر ہو گیا تو حالت یہ تھی کہ ناداری کی وجہ سے کبھی کبھی گھر میں فاقہ پڑ جاتا اور اکثر اتنا قلیل رزق میسر ہوتا کہ نیم فاقہ کی حالت ہوتی۔ لیکن آپ نے کبھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ خود حضرت شیخ الاسلامؒ نے نہایت قلیل معاوضہ پر ایک مدرسہ کی خدمت کر کے اور کتابیں اُجرت پر نقل کر کے خاندان کی کفالت کی۔ اور آپ کے والد محترم نے ایک چھوٹی سی دوکان کھول لی۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ کے ایک کامیاب ڈاکٹر رفاقت علی صاحب نے ہر چند چاہا کہ حضرت شیخ الاسلام کچھ معاوضہ لے کر اُن کے بیٹے عبدالخالق کو پڑھا دیں۔ لیکن عسرت اور تنگدستی کے باوجود حضرتؒ نے معاوضہ لینا گوارا نہیں کیا اور کافی عرصہ تک بغیر کسی معاوضہ کے پڑھاتے رہے۔ کیا اس زمانہ میں خودداری اور استغناء کی کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے؟

حضرت شیخ الاسلامؒ میں ذوقِ عبادت بھی کمال کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کی نماز حقیقی نماز ہوتی تھی۔ جب نماز میں مشغول ہوتے تو معلوم ہوتا کہ یہ بندہ سارے عالم کو فراموش کر کے معبودِ حقیقی کے ساتھ سرگوشی میں محو اور بارگاہ خداوندی میں باریاب ہے۔ نماز میں جب قرأت کرتے تو ایسی رقت طاری ہوتی تھی کہ دیکھنے اور سننے والوں کے بھی دل دہل جاتے تھے۔ متعدد بار تجربہ ہوا کہ آپ کسی طویل سفر سے واپس آئے ہیں اور پھر کسی اور سفر پر جانا ہے، مگر درمیان میں نماز کا وقت آگیا تو اس شان سے بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے کہ نہ پچھلے سفر کی کوفت و اذیت کا کچھ احساس دل پر رہا اور نہ آئندہ سفر کی کوئی فکر و پریشانی۔

نماز کے علاوہ بھی ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اور "دل بہ یار و دست بہ کار" کے پورے مصداق تھے۔

ماہِ رمضان المبارک میں ۱۲ بجے رات تک خود تراویح پڑھاتے۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ آرام فرما کر تہجد میں مشغول ہو جاتے تھے، سارا دن تلاوتِ قرآنِ کریم میں صرف ہوتا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے اتباعِ شریعت و سنت کو نصب العین حیات بنا لیا تھا۔ کوئی کام خلافِ شریعت و سنت نہ خود کرتے اور نہ کسی کو کرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ رسوماتِ قبیحہ میں شرکت کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں، مباح رسومات میں بھی اس وقت تک شریک نہیں ہوتے تھے جب تک اس کو سنت کے مطابق نہ کرا لیتے۔ مثلاً نکاح میں اس شرط کے ساتھ شرکت کرتے کہ اس میں سادگی کا پورا لحاظ رکھا جائے گا اور خود نکاح اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک "مہرِ فاطمی" پر فریقین کو راضی نہ کر لیتے۔ ولیمہ بھی سنت کے مطابق ہونا ضروری تھا ورنہ خود شریک نہ ہوتے تھے۔

یہی نہیں، زندگی کے معمولات میں بھی شریعت و سنت کا پورا خیال رہتا تھا۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے تک میں اتباعِ سنت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔

زندگی بھر عزم و استقلال اور ہمت و حوصلہ سے کام لیا۔ بڑھاپے میں بھی جوانوں سے زیادہ ہمت و حوصلہ کا اظہار کیا۔ برطانوی حکومت کا جس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، جس جوانمردی، ہمت و حوصلہ اور عزم و استقلال سے مقابلہ کیا اس کی مثالیں دنیا میں بہت کم ملتی ہیں۔ شدید خطرات میں بھی آپ کے پائے استقلال کو ذرا لغزش نہیں ہوتی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہر طرف قتل و خونریزی کے مناظر دکھائی دے رہے تھے، آپ نے خود بھی پورے ہمت و حوصلہ سے کام لیا اور مختلف شہروں اور قصبوں میں جا جا کر مسلمانوں کو ہمت دلائی اور ان کو بلا خوف اور ڈر کے ہندوستان میں جمے رہنے کی تلقین فرمائی۔ اسی سلسلہ میں آپ یوپی کے مشہور شہر مظفر نگر بھی تشریف لے گئے وہاں کھالے پار کی مسجد میں مسلمانوں سے خطاب کیا، رات میں نو بجے سے بارہ بجے تک آپ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ راقم الحروف بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ حضرت نے قرآن اور حدیث کے حوالے سے بیان فرمایا کہ: "مسلمان کے دل میں اگر نورِ ایمان موجود ہے اور وہ اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو کافر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کافر کے سینہ میں مرغی کے دل سے بھی چھوٹا دل ہوتا ہے، اس لیے مسلمان کو اس سے ہرگز نہ ڈرنا چاہیئے مسلمانوں کے دلوں میں صرف خدا کا ڈر اور خوف ہونا چاہیئے، غیر اللہ سے خوف کھانا شرک ہے۔ اس وقت ملک میں جو ہنگامے ہو رہے ہیں یہ چند روزہ ہیں۔ اگر مسلمان ہمت و حوصلہ سے کام لیں گے تو ان شاء اللہ یہ دن بھی

گذر جائیں گے تم لوگوں کو اسی سرزمین میں رہنا ہے لہٰذا متحد ہو کر رہو اور ہندو اور سکھ سے خوف نہ کھاؤ۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے"

حضرتؒ کی اس تقریر کا اکثر سامعین کے دلوں پر کافی اثر ہوا، اور پہلے سے جو خوف و ہراس دلوں پر طاری تھا اُس میں بے حد کمی ہوگئی۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کو فرائضِ منصبی کا بھی بہت احساس تھا۔ آپ ۲۸ برس دار العلوم دیوبند میں صدر مدرسی کے منصب پر فائز رہے، لیکن کبھی آپ نے اِس احساس کو اپنے دل سے فراموش نہیں ہونے دیا۔ آپ نے سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ کئی برس تک جمعیۃ العلمائے ہند کے صدر رہے اور صدارت کی ذمہ داریوں کو بہ احسن وجوہ پورا کرتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود دار العلوم کی صدر مدرسی کی ذمہ داریوں سے غافل رہے اور نہ درس و تدریس کے معاملہ میں کبھی کوتاہی کی۔ بارہا ایسا ہوا کہ سینکڑوں میل کا سفر تھرڈ کلاس میں کرکے دیوبند پہنچے، اسٹیشن سے سیدھے دار العلوم گئے مسجد میں نماز ادا کی اور نماز کے بعد اعلان کرادیا کہ "حضرت مولانا سفر سے واپس آگئے ہیں، حدیث کے طلباء دار الحدیث میں جمع ہوجائیں، وہاں مولانا بخاری شریف کا درس دیں گے"۔ چنانچہ طلباء دار الحدیث میں جمع ہوگئے۔ حضرت مولانا نماز سے فراغت کے بعد تشریف لائے اور پورے انہماک سے درس دیا، اُس کے بعد گھر تشریف لے گئے۔

یہاں یہ بات بھی بتا دینا ضروری ہے کہ آپ کا درس سرسری اور رواروی کا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ہر مسئلہ کی تحقیق و تدقیق ہوتی تھی اور ہر طالب علم کے سوال کا تشفی بخش جواب دیا جاتا تھا، اور یہ سب کام پورے انبساط کے ساتھ ہوتا تھا۔ راقم الحروف نے بھی دو تین بار حضرت کے درس میں شرکت کی، دار الحدیث ایک وسیع ہال ہے وہ طلباء سے کھچا کھچ بھرا ہوتا تھا۔ کوئی ایک طالب علم حدیث پڑھتا، حضرت اس کا ترجمہ اور تشریح کرتے، پھر اس سے مسائل کا استنباط کرکے حدیث کی اہمیت کو واضح کرتے۔ بعدہٗ طلباء سوال کرتے اور حضرت نہایت خندہ روئی سے اس کا جواب دیتے، جب سب طلبہ مطمئن ہوجاتے تو آپ آگے بڑھتے۔ واضح رہے کہ آپ کا پورا درس بغیر لاؤڈ سپیکر کے ہوتا تھا، اس کے باوجود کسی طالب علم کو یہ شکایت نہیں ہوتی تھی کہ "مجھ تک آواز نہیں پہنچ رہی ہے"۔

حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے اوپر سختی جھیل کر اور سات سات، آٹھ آٹھ گھنٹے درس دے کر کورس پورا کرا دیتے تھے لیکن تنخواہ صرف اُن ایام کی لیتے تھے جن میں آپ کام کرتے تھے، جتنے دن آپ کے سفر میں گذرتے اتنے دنوں کی تنخواہ کٹوا دیتے تھے۔ آپ کی اس احتیاط اور دیانتداری کے باوصف بعض بدباطن